امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہمہ جہت شخصیت

مشاہدات و تاثرات

مولانا کوثر نیازی

سابق وفاقی وزیر مذہبی امور، سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

طباعت حسب فرمائش

پیر طریقت، رہبر شریعت
صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی صاحب مدظلہ
سجادہ نشین آستانہ عالیہ محدث اعظم پاکستان، فیصل آباد

بشکریہ روزنامہ جنگ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء

روزنامہ جنگ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ .... ایک ہمہ جہت شخصیت

اردو زبان میں جب کبھی "آں حضرت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرکار ختمی مرتبت ﷺ کا وجود باجود ذہن میں آجاتا ہے اور جب "اعلیٰ حضرت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرکار کے ایک غلام "احمد رضا خان بریلوی" کا نام سامنے آجاتا ہے، دیکھا جائے تو یہ مقام امام احمد رضا خان کو ان کے ماننے والوں کی خوش عقیدگی سے نہیں ملا، یہ ان کے فنافی الرسول اور ایک ہمہ جہت شخصیت ہونے کا فیضان ہے، برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت امام رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی۔

کون سا علم تھا جس پر انہیں دسترس نہ تھی، تفسیر، حدیث، فقہ، ہندسہ، ریاضی، سائنس، فلسفہ، علم ہیت، جفر، طبعیات، کیمیا، اقتصادیات، ارضیات، طب، جغرافیہ، تاریخ، سیاسیات، علم مناظرہ، منطق، جبرو مقابلہ نحو، صرف، علم معانی، علم بیان، علم صنائع، علم بدائع، قرات، تجوید، تصوف، سلوک، لغت، شاعری ادب، خط نسخ، خط نستعلیق۔ ان کے سوانح نگاروں نے ساٹھ کے قریب علم گنوائے ہیں جن میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی، وہ بیک وقت ایک عظیم ادیب بھی تھے اور خطیب بھی، مناظر بھی تھے اور متکلم بھی، محدث بھی تھے اور مفسر بھی، فقیہہ بھی تھے اور سیاست دان بھی اور جب وہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں تو غلط نہیں کہتے (اور اس لفظ "سخن" میں کلام کی سبھی شاخیں شامل ہیں) کہ ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

گردش ایام کی یہ بھی ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ تاریخ کی اکثر وبیشتر عظیم شخصیات مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ مظلوم بھی رہی ہیں انہوں نے ہمیشہ اپنے باب میں لوگوں کو دو خانوں میں تقسیم کیا ہے، کسی کو غیر جانبدار نہیں چھوڑا۔ کچھ کو ان سے سخت عقیدت رہی ہے تو کچھ عداوت کی حد تک ان کے مخالف رہے ہیں، اس مخالفت میں ان کی ذات پر پروپیگنڈے کی دھول بھی اڑائی گئی ہے، امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیجئے نصیری نے انہیں خدا بنا دیا تو خوارج نے کافر ٹھہرایا، ہمارے قریبی دور کی مثال محمد علی جناح ہیں چاہنے والوں نے انہیں قائداعظم کہا اور فتوی بازوں نے انہیں کافراعظم، یہی صورت حال امام احمد رضا کی شخصیت کے باب میں رہی جو ان کی شخصیت کا عرفان رکھتے ہیں ان کے نزدیک وہ برصغیر کے امام ابو حنیفہ تھے اور جو ان سے مخاصمت کی حد تک مخالفت رکھتے ہیں ان کے نزدیک وہ ایک بدعتی متشدد مفتی اور مناظر اور ایک انگریز نواز مولوی تھے، معاصرت تو ہمیشہ سے سبب منافرت رہی ہے، لیکن افسوس کہ ان کی وفات کے اکہتر سال بعد بھی نقد و نظر کا مطلع اب تک گرد آلود ہے، تعصب کی رنگین عینکیں لگا کر دیکھنے والوں نے صاف نظروں سے ابھی تک ان کا روئے تاباں دیکھنے کی کوشش نہیں کی اگر وہ انصاف کرتے تو انہیں یہ جاننے میں کوئی دشواری نہ ہوتی کہ امام رضاؒ کے خلاف پھیلائے جانے والا پروپیگنڈا مخالفین کے اپنے دلوں پر چھائے ہوئے غبار کدورت کا نتیجہ ہے ورنہ خود امام کے زبان و قلم اور قول و فعل سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ تو زبان حال سے یہ پکار رہا ہے کہ ؎

نہ شبنم، نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

کیا ستم ظریفی ہے کہ جو رد بدعات میں شمشیر برہنہ تھا اسے خود حامی بدعات قرار دیا گیا۔ ان کے افکار و فتاوی کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی سخت مخالفت خلاف پیغمبر راہ گزینی کی، انہوں نے کی شاید ہی کسی اور نے کی ہو، ان کے ایک معاصر حضرت خواجہ حسن نظامی

دہلوی نے "مرشد" کو سجدہ تعظیمی کے نام سے ایک کتابچہ لکھا تو امام رضا نے "حرمت سجدہ تعظیم" کے نام سے اس کا جواب لکھا اور سو سے زیادہ آیات و احادیث سے اسے حرام ثابت کیا' عام طور پر لوگ پیری مریدی کو اسلام کا لازمہ قرار دیتے ہیں مگر آپ نے اپنی مشہور کتاب "**السنیتہ الانیقہ**" میں لکھا ہے کہ

"انجام کار رستگاری کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے"

اسی طرح ہمارے ہاں قبروں پر چراغاں کیا جاتا ہے مگر امام رضا قبروں پر چراغ جلانے کو بدعت قرار دیتے ہیں" صرف اسی صورت اس کے جواز کے قائل ہیں جب قبر رستے میں واقع ہو' مسجد میں ہو اور اس کی روشنی سے مسافروں اور نمازیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ آج کل مزاروں پر منوں اور ٹنوں کے حساب سے چادریں چڑھانے کا رواج ہے اور یہ چادریں عام طور پر وزیروں اور امیروں کی دستاربندی میں استعمال کی جاتی ہیں۔ امام احمد رضا قبر پر صرف ایک چادر چڑھانے کی حد تک اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ڈھیروں چادریں چڑھانے کو بطور رسم جائز نہیں سمجھتے' لکھتے ہیں

"جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لئے محتاج کو دیں" ناواقف لوگ آج کل کی قوالیوں کو بھی امام رضا کے مکتب فکر کی پہچان قرار دیتے ہیں مگر آپ نے اپنے رسالہ "مسائل سماع" میں ان قوالیوں کو ناجائز ٹھہرایا ہے جنہیں مزامیر کے ساتھ سنا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا بہت متشدد تھے' انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے بڑے علماء اور اکابر کو کافر ٹھہرایا ہے مگر میں کہتا ہوں یہی ایک بات تو انہیں دوسرے مکاتب فکر کے مقابلے میں ممیز اور مشخص کرتی ہے' بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں بریلوی نامی ایک فرقے کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں اور بس' اس کے مقابلے

میں جن لوگوں کو دیوبندی کہا جاتا ہے فقہی مسلک اور اکثروبیشتر دوسرے مسائل میں وہ بھی وہی نقطہ نظر رکھتے ہیں جو مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ہے' پیری مریدی ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ فیض قبور کا وہ بھی اعتراف کرتے ہیں عدم تقلید کے وہ بھی مخالف ہیں' امام ابو حنیفہ کی فقہ کو دوسرے تمام فقہی اسکولوں پر وہ بھی ترجیح دیتے ہیں' اصل جھگڑا یہاں سے چلا کہ ان کے بعض اکابر کی خلاف احتیاط تحریروں کو امام رضا نے قابل اعتراض گردانا اور چونکہ معاملہ عظمت رسول ﷺ کا تھا' توہین رسول ﷺ کی بنیاد پر انہیں فتوؤں کا نشانہ بنایا۔ دیکھا جائے تو یہی فتوے امام بریلوی اور ان کے مکتب فکر کے جداگانہ تشخص کا مدار ہیں' جس تشدد کی دہائی دی جاتی ہے وہی ان کی ذات کی پہچان اور ان کی پوری حیات کا عرفان ہے' وہ فنافی الرسول تھے اس لئے ان کی غیرت عشق احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی' دم آخرین اپنے عقیدت مندوں اور وارثوں کو جو وصیت کی وہ بھی یہی تھی

"جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنی توہین پاؤ پھروہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ' جس کو بارگاہ رسالت ﷺ میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھروہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو" (وصایا شریف)

میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیو بندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے لیا ہے' کبھی کبھی اعلی حضرت کا ذکر آ جاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے "مولوی صاحب! (اور یہ مولوی صاحب انکا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا احمد خان کی بخشش تو انہی فتوؤں کے سبب ہو جائے گی" اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ "تو احمد رضا خان! تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتوی لگا دیا' جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی" کم و بیش اسی انداز کا ایک اور واقعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی

سے میں نے سنا فرمایا

جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آکر اس کی اطلاع کی، مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، جب دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں، فرمایا (اور یہی بات سمجھنے کی ہے) کہ مولانا احمد رضا خان نے ہم پر کفر کے فتوے اس لئے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے اگر وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے"

حقیقت میں جسے لوگ امام رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں، وہ بارگاہ رسالت ﷺ میں ان کے ادب و احتیاط کی روش کا نتیجہ ہے، شاعر نے شاعری نہیں کی شریعت کی ترجمانی کی ہے جب یہ کہا ہے کہ

ادب گاہ ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اور میرا اپنا ایک شعر ہے

لے سانس بھی آہستہ کہ دربار نبی ہے
خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

ادب اور احتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ یہی ان کا سوز نہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے ان کا طرائے ایمان ہے، ان کی آہوں کا دھواں ہیں، حاصل کون و مکاں ہے، برتر ازاین و آں ہے باعث رشک قدسیاں ہے راحت قلب عاشقاں ہے، سرمہ چشم سالکاں ہے، ترجمہ کنزالایمان ہے۔

ووجدک ضالا فھدی کے ترجمے کو دیکھ لو، قرآن پاک شہادت دیتا ہے، "ماضل

صاحبکم وما غوی" رسول گرامی نہ گمراہ ہوئے نہ بھٹکے۔ "ضل" ماضی کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ ماضی میں آپ کبھی گم گشتہ راہ نہیں ہوئے۔ عربی زبان ایک سمندر ہے اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی مفہوم رکھتا ہے ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد وافکار کے رنگ میں ان کا کوئی سامطلب اخذ کر لیتے ہیں۔ "ووجدک ضالا" کا ترجمہ ماضل کی شہادت قرآن کو سامنے رکھ کر عظمت رسول ﷺ کے عین مطابق کرنے کی صورت تھی مگر ترجمہ نگاروں سے پوچھو انہوں نے آیت قرآنی سے کیا انصاف کیا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ترجمہ کرتے ہیں۔

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ سمجھائی"

کہا جا سکتا ہے مولانا محمود الحسن ادیب نہ تھے ان سے چوک ہوگئی آیئے ادیب شہیر اور مشہور مصنف اور صحافی مولانا عبد الماجد دریا آبادی کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کا ترجمہ ہے

"اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا"

مولانا دریا آبادی پرانی وضع کے اہل زباں تھے ان کے قلم سے صرف نظر کر لیجیے۔ اس دور میں اردوئے معلے میں لکھنے والے نامور اہل قلم حضرت مولانا سید ابوالاعلی مودودی کے دروازے دستک دیجیے ان کا ترجمہ یوں ہے۔

"اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی"

پیغمبر کی گمراہی اور پھر ہدایت یابی میں جو جو وسوسے اور خدشے چھپے ہوئے ہیں انہیں نظر میں رکھیے اور پھر "کنزالایمان" میں امام رضا کے ترجمے کو دیکھیے۔

بیا ورید گر اینجا بود سخن دانے

غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

امام نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے، فرماتے ہیں

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

کیا ستم ہے کہ فرقہ پرور لوگ "رشدی" کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کاروائی کرنے میں اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقایان ولی نعمت ناراض نہ ہوجائیں مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمہ پر پابندی لگادیں جو عشق رسول ﷺ کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

شاعری ایک اور میدان ہے جہاں بے اختیار ادب و احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور شاعری میں بھی نعت گوئی کی صنف تو ایک ایسی مشکل صنف سخن ہے جس میں ایک ایک قدم پل صراط پر رکھنا پڑتا ہے' یہاں ایک طرف محبت ہے تو ایک طرف شریعت' ایک شاعر نے روضہ رسول ﷺ پر اپنی حاضری کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت محبت ہوتی ہے اک سمت شریعت ہوتی ہے

لیکن یہ کیفیت حقیقت میں صرف روضہ رسول پر حاضری کے وقت ہی طاری نہیں ہوتی' نعت کہتے وقت ہر شعر اسی امتحان و آزمائش سے دوچار ہوتا ہے' یہاں بھی ایک طرف محبت ہوتی ہے ایک طرف شریعت' اگر صرف شریعت کو ملحوظ رکھا جائے تو شعر شعر نہ رہے وعظ و تقریر بن جائے اور اگر صرف محبت کے تقاضے پورے کئے جائیں تو ایک ایک لفظ شریعت کی جراحت کا مجرم ٹھہرے۔ عرفی شیرازی نے اس نازک صورتحال کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

(عرفی! جلد جلد قدم نہ اٹھایہ نعت کا میدان ہے، صحرا نہیں ہے آہستہ چل کیونکہ تو تلوار کی دھار پر قدم رکھ رہا ہے۔)

امام احمد رضا کو بھی اس مشکل کا کامل احساس ہے وہ ملفوظات میں فرماتے ہیں۔ "نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے، بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے، اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔" اس لئے ایک جگہ فرمایا قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی اس معیار کو سامنے رکھ کر ہم نعتیہ شاعری کے ذخائر پر نظر ڈالتے ہیں تو اس پر صرف ایک ہی شاعر پورا اترتا ہے اور وہ خود احمد رضا خان بریلوی ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں میں ادب کا طالب علم ہوں۔ برا بھلا شعر بھی کہہ لیتا ہوں۔ اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور بالاستیاب دیکھا ہے میں بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

ایک طرف۔ دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا۔ میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدہ بردہ ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہو گا۔ جو زبان و بیان، جو سوز و گداز، جو معارف و حقائق قرآن و حدیث اور سیرت کے جو اسرار و رموز، انداز و اسلوب میں جو قدرت و ندرت اس سلام میں ہے وہ کسی زبان کی شاعری کے کسی شہ پارے میں نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

ایک شعر پڑھتا ہوں میں دعوے سے کہتا ہوں آپ نے کسی زبان کی شاعری میں سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی یہ تعریف نہ سنی ہوگی۔ ذرا تصور کیجئے ایک نہر ہے اس

کے ارد گرد سبزہ ہے۔ اس سبزے سے نہر کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ اب نہر کس کو کہا۔ سرکار کے دہن مبارک کو، نہر عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں، آپ کے دہن مبارک کو نہر رحمت قرار دیا کہ ایک رحمت کا دریا ہے جو اس دہن اقدس سے موجزن ہے۔ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے۔

نرفت "لا" بزبان مبارک کش ہرگز
مگر باشہدان لا الہ الا اللہ

آپ کی زبان مبارک سے اشہد ان لا الہ الا اللہ میں جو "لا" ہے اس کے علاوہ لا یعنی نہیں کا لفظ کبھی نہیں فرمایا گیا۔ شاہ رضا کہتے ہیں۔

واہ کیا جو دو کرم ہے شہ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ دہن اقدس، یہ نہر رحمت کہ سفر طائف میں پتھروں کی بارش ہوئی، سر مبارک سے خون بہا نعلین مبارک تک آگیا۔ مگر ہاتھ دعا کو اٹھائے۔ عرض کیا

الھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب فرما یہ لوگ نہیں جانتے علم نہیں رکھتے۔ میرے مقام اور پیغام سے بے خبر ہیں۔

تو اس دہن اقدس کو نہر رحمت کہا اور ریش مبارک کیا ہے؟ اس نہر رحمت کے ارد گرد لہلہانے والا سبزہ، جس نے نہر رحمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اب شعر ملاحظہ فرمایئے۔

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزہ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

حضرت رضا آگے بڑھتے ہیں۔ سرکار کی، آپ کی ازواج مطہرات کی، صحابہ کرام اہل بیت کی، اولیائے کبار کی، بالخصوص حضرت غوث الاعظم کی جو امام الاولیاء ہیں، تعریف کرنے کے بعد خو

مطلب زبان پر لاتے ہیں۔ مگر اس میں بھی کیا امتیاز و اختصاص ہے، درخواست ذاتی نہیں جماعتی ہے، انفرادی نہیں اجتماعی ہے۔ صرف اپنے لئے نہیں پوری امت کے لئے ہے کہتے ہیں۔

ایک میرا ہی رحمت پہ دعوی نہیں
شاہ کی ساری امت پر لاکھوں سلام

اور خود کیا چاہتے ہیں؟ یہ سلام اور نعت لکھنے سے غرض کیا ہے؟ کہتے ہیں میں تو صرف اتنا انعام چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب سب آپ پر سلام بھیج رہے ہوں وہ فرشتے جو آپ کی خدمت کے لئے مقرر ہیں مجھے آواز دے کر کہیں "احمد رضا! تم بھی تو سلام سناؤ، وہی سلام......
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام ...... تو میری مزدوری وصول ہو جائے گی۔

کاش! محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا!
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

بات پھیل گئی، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا خان کا تشدد کہتے ہیں وہ تشدد نہیں ان کا عشق رسول ہے۔ ان کا ادب و احتیاط ہے جو فتوے نویسی سے لے کر ترجمہ قرآن تک اور ترجمہ قرآن سے لے کر ان کی نعتیہ شاعری تک ہر جگہ آفتاب و ماہتاب بن کر ضوفشانی کر رہا ہے۔

اور کہنے والوں کی زبان کون روک سکتا ہے وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت احمد رضا اول و آخر انگریز نواز شخصیت تھے۔ خلافت، ترک موالات، اور تحریک ہجرت اور تحریک ہجرت کی سبھی انقلابی تحریکوں میں ان کی روش انقلاب دشمنی پر مبنی تھی۔ ہندوستان کے دارالسلام اور دارالحرب ہونے کی بحث میں بھی ان کا نقطہ نظر رجعت پسندانہ تھا۔ اس لئے برصغیر کی تحریک آزادی میں

انہوں نے محض منفی کردار ادا کیا۔ اور بس!

سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا پالیٹیشین نہیں، سٹیٹس مین تھے، سیاسی لیڈر نہ تھے، مدبر تھے۔ پالیٹیشین اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں جبکہ سٹیٹس مین اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تحریکیں اپنے اپنے وقت میں جذباتیت کا سیل رواں تھیں مگر ان تحریکوں کا نتیجہ کیا نکلا' تحریک ہجرت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا رئیس احمد جعفری ندوی نے لکھا ہے۔

"پھر ہجرت کی تحریک اٹھی، اٹھارہ ہزار مسلمان اپنا گھربار، جائیداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر .... خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے، افغانستان ہجرت کر گئے۔ وہاں جگہ نہ ملی واپس کئے گئے، کچھ مرکھپ گئے۔ جو واپس آئے تباہ حال خستہ، درماندہ، مفلس، قلاش، تہی دست، بے نوا، بے یارومددگار۔ اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں۔" (حیات محمد علی جناح ص 108)

اور تحریک ہجرت اس بحث کا منطقی نتیجہ تھی کہ ہندوستان دارالسلام ہے یا دارالحرب۔ امام احمد رضا اسے دارالحرب قرار نہیں دیتے تھے وہ جانتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کے لئے سود کھانا تو جائز ہو جائے گا مگر ہجرت اور تلوار اٹھانا ان پر لازم ہو جائے گا۔ وہ اسے دارالسلام قرار دیتے تھے کہ سینکڑوں برس مسلمان اس پر حکمران رہے تھے۔ اب بھی سرزمین میں امن تھا اور مسلمانوں کو دینی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے آج ہندوراج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے۔ مطلب واضح ہے انگریز کے سامنے ہندو پس پردہ ان فتوؤں کی تار ہلا رہے تھے۔ جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا رہا تھا تاکہ مسلمان انگریز کے خلاف تلوار اٹھائیں مرکھپ جائیں اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین ہی کو چھوڑ جائیں۔ آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو ہندو سیکولرازم کا طلسم پاش پاش ہوتا ہے۔

مسلمان جہاد کے نام پر برسر پیکار ہوں یا ہجرت کریں۔ سیکولرازم کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اس لئے آج ہندوستانؒ کو دارالحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہربلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتوی کی تائید کر رہے ہیں۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کا معاملہ بھی اس سے چنداں مختلف نہیں۔

1914ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اس میں ہندوستان سے فوجی بھرتی کرنے کے لئے برطانیہ نے اعلان کیا کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد ہندستان کو آزاد کر دیا جائے گا۔ ظاہر ہے اس وقت مسلمانوں کے سامنے پاکستان کا نصب العین نہ تھا۔ ہندوستان آزاد ہوتا تو حکومت ہندو اکثریت ہی کی ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی نے فوجی بھرتی کی زبردست حمایت کی اور دو لاکھ کے قریب ہندو اور مسلمان سپاہی انگریزی فوج کے ساتھ مل کر لڑے۔ ترکی کو اس جنگ میں شکست ہوئی۔ فتح پانے کے بعد انگریز وعدے سے پھر گیا۔ اب گاندھی جی اسے سزا دینے کی فکر میں تھے۔ اس مقصد کے لئے خلافت کا مسئلہ ڈھونڈ نکالا گیا۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ ترکی کی سلطنت عثمانیہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے خلافت کے نام پر ایک دھبے سے کم نہیں مگر یکایک کہا جانے لگا کہ ترکی کا سلطان اسلام کا خلیفہ ہے اور اس کی خلافت ختم کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ مسلمان بپھر گئے ایک تحریک چل نکلی مگر طرفہ تماشا یہ کہ تحریک کی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں تھی گویا جو ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک الگ خطہ زمین دینے کے حق میں نہ تھا وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کی خلافت بحال کرا رہا تھا۔ امام احمد رضا گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دام ہمرنگ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائداعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے' دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی۔ پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔

یہی صورحال تحریک ترک موالات کی تھی، گاندھی جی مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر ہر قسم کے بائیکاٹ کے لئے اکسا رہے تھے۔ امام احمد رضا کا موقف یہ تھا کہ موالات دوستی اور محبت کو کہتے ہیں۔ حکم مشرکین اور کفار سے دوستی اور محبت نہ کرنے کا ہے لین دین اور معاملات کے ترک کا نہیں اور جہاں تک دوستی کی ممانعت کا تعلق ہے اس میں انگریز کی تخصیص نہیں اس میں ہندو بھی شامل ہیں۔ ایک مشرک سے پیار کی پینگیں بڑھا کر دوسرے مشرک کا مقاطعہ مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔

قائداعظم محمد علی جناح تحریک ترک موالات کے مخالف تھے مگر مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سمیت بہت سے مسلمان راہنما اس مسئلے میں گاندھی کے ساتھ تھے۔ امام احمد رضا کے کلمہ حق سے متاثر ہو کر یہ سیاسی اکابر بھی آہستہ آہستہ ہندو کی سیاست سے باخبر ہوتے چلے گئے۔ خود علامہ اقبال ایک زمانے میں تحریک خلافت کی صوبائی کمیٹی کے صدر تھے۔ مگر جب تحریک کے اصل ہدف سے آگاہ ہوئے تو صدارت سے استعفی دے دیا۔ ان کے یہ اشعار اسی دور کی یادگار ہیں۔

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

جس زمانے میں یہ تحریکیں چل رہی تھیں، ان میں عوامی جذبات بھپرے ہوئے تھے۔ ویسے بھی ہماری قوم بدقسمتی سے انتہا پسند واقع ہوئی ہے۔ بقول شاعر

افسوس ہم چلے نہ سلامت روی کی چال
یا بے خودی کی چال چلے یا خودی کی چال

ایسے میں مخالفتوں اور الزام تراشیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلک اعتدال پر قائم رہنا اوردو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے مدبرانہ دور بینی کی سیاست پر کار بند رہنا امام رضا خان جیسے آہنی اعصاب رکھنے والے انسان ہی کا کام تھا۔ رہا یہ کہنا کہ ان کے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے تو یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو یا تو امام رضا کے مسلک کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو۔ ایک ایسا مرد مومن جسے انگریزی سامراج سے اتنی نفرت ہو کہ وہ اس کی کچہری میں جانے کو حرام سمجھتا ہو جو مقدمہ قائم ہو جانے کے باوجود اسکی عدالت میں نہ گیا ہو جو خط لکھتا ہو تو کارڈ اور لفافے کی الٹی طرف پتہ لکھتا ہو تاکہ انگریز بادشاہ اور ملکہ کا سرنیچا نظر آئے۔ جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے پہلے یہ وصیت کی ہو کہ اس دالان سے ڈاک میں آئے ہوئے وہ تمام خطوط جن پر ملکہ اور بادشاہ کی تصویر ہے اور وہ تمام سکے اور روپے پیسے جن پر یہ تصویریں ہیں سب باہر پھینک دیئے جائیں تاکہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو۔ جس نے نعت گوئی میں بھی کسی کو نمونہ مانا اور اسے سلطان نعت گویاں قرار دیا تو حضرت مولانا کفایت علی کافی تھے جنھوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ جدوجہد کی اور 1858ء میں مراد آباد کے چوک میں انہیں برسرعام پھانسی دیدی گئی۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریز کا حامی تھا ایسا ہی جیسے کوئی کہے کہ سورج ظلمت، پھول بدبو، چاند گرمی، سمندر خشکی، بہار، پت جھڑ، صبا، صرصر، پانی حدت، ہوا حبس اور حکمت جہالت کا دوسرا نام ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

اللہ کی سر تا بقدم ' شان ہیں یہ
ان سا نہیں انساں ' وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان ' بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے ' میری جان ہیں یہ!

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے 'المنۃ للہ ' محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ' ملحوظ

(رباعیات ...... امام احمد رضا بریلوی)